اسلام کے معاشی مقاصد

مولانا محمد طاسین
ناظم مجلس علمی ' کراچی

اسلام کے وہ معاشی مقاصد کیا ھیں' جن کو اس نے اپنی تعلیمات میں بطور غرض وغائت پوری طرح مدنظر رکھا ھے اور جن کو حاصل کرنا اور بروئے کار لانا ان تعلیمات سے اس کا اصل منشا اور مقصود ھے ۔

زیر نظر مضمون میں میرا مقصد اسلام کے انہی معاشی مقاصد سے بحث کرنا اور ان کے متعلق اپنی وہ معلومات پیش کرنا ھے جو قرآن و حدیث کے مطالعے سے مجھے حاصل ھوئی ھیں اس لئے کہ میں یہ سمجھتا ھوں کہ اسلام کی معاشی تعلیمات کو صحیح اور کامل طور پر سمجھنے اور ان کی قدر و قیمت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے کے لئے ضروری ھے کہ اسلام کے معاشی مقاصد واضح طور پر سامنے ھوں ۔

لفاظ دیگر میرا یہ اذعان ھے کہ جب تک وہ معاشی مقاصد متعین اور ضح طور پر سامنے نہ ھوں جن کو اسلام اپنی معاشی تعلیمات کے ذریعے حاصل کرنا اور بروئے کار لانا چاھتا ھے ' اس وقت تک ان اصول و تصورات کی ماھیت اور ان کی افادیت کو کامل اور صحیح طور پر نہیں سمجھا جا سکتا جو اسلام نے اپنی معاشی تعلیمات میں پیش کئے ھیں ۔ کیونکہ در حقیقت ان اصول و تصورات کی حیثیت ' ان مقاصد کے لئے ذریعہ اور وسیلہ کی ھے اور یہ ظاھر ھے کہ وسیلے اور ذریعے کا اضافی مفہوم اس وقت تک صحیح سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک کہ وہ شے سامنے نہ ھو، جس کے لئے وہ وسیلہ اور ذریعہ ھے ۔

اسی طرح میرا یہ خیال ھے کہ اگر اسلام کے معاشی مقاصد متعین اور واضح طور پر سامنے ھوں تو ان کی روشنی میں ' ان اختلافات کو بھی بڑی حد

تک دور کیا جاسکتا ہے جو اسلام کی معاشی تعلیمات کے مفہوم و مصداق اور ان کی تعبیر و تفسیر سے متعلق علما کے درمیان پائے جاتے ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام کا معاشی نظام بری طرح الجھ کر بلکہ خواب پریشان بن رہ کر گیا ہے -

اسلام کی معاشی تعلیمات کے مفہوم و مصداق میں اختلافات

ان اختلافات سے میری مراد مثلاً ایک وہ اختلاف ہے جو معاشی عدل اور معاشی ظلم کے مفہوم و مصداق کے بارے میں پایا جاتا ہے علماء کی ایک جماعت جن بعض معاشی معاملات کو عدل کا مصداق ٹھہراتی ہے ' دوسری جماعت انہی معاملات کو عدل کے بجائے ظلم کا مصداق قرار دیتی ہے کیونکہ ان دونوں کے ذہن میں معاشی عدل اور معاشی ظلم کا جو مفہوم ہے ' وہ ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہے ورنہ وہ اختلاف پیدا نہ ہوتا -

دوسرا وہ مشہور اختلاف ہے جو ربا کے مفہوم و مصداق سے متعلق علماء کے درمیان چھڑا ہوا ہے- بعض علماء اور مفکرین کے نزدیک وہ نفع جو تجارتی اور پیدا آور قرضوں پر لیا دیا جاتا ہے ' ربا کا مصداق نہیں لہذا جائز اور حلال ہے - دوسرے بعض کے نزدیک وہ قطعی طور پر ربا کا مصداق ہے لہذا ناجائز اور حرام ہے - غور سے دیکھا جائے تو یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ دونوں کے ذہن میں ربا کا جو مفہوم ہے وہ ایک دوسرے سے الگ اور مختلف ہے ، ورنہ جہاں تک ربا کے حرام ہونے کا تعلق ہے ' اس پر سب کا اتفاق ہے اور کسی کو اختلاف نہیں -

اسی طرح تیسرا وہ اختلاف ہے ' جو جوئے اور قمار کے مفہوم و مصداق کی نسبت پایا جاتا ہے- بعض علماء کی رائے میں بیمہ اور انشورنس، جوئے اور قمار کا مصداق ہے لہذا حرام اور ناجائز ہے اور دوسرے بعض کی رائے میں وہ جوئے اور قمار کے تحت نہیں آتا ، لہذا جائز ہے - ظاہر ہے کہ بیمہ کے جواز و عدم جواز کے متعلق یہ اختلاف اس وجہ سے ہے کہ میسر اور قمار کا جو مفہوم ہے ، اسی کے تعین میں علماء کا اختلاف ہے ' ورنہ میسر اور قمار کو سب بالاتفاق حرام سمجھتے ہیں -

چوتھا وہ مشہور اختلاف ہے، جو مزارعت اور مضاربت کے مفہوم میں پایا جاتا ہے بعض علماء زمین کے بٹائی اور کرائے پر دینے کو منشائے اسلام کے خلاف اور ناجائز قرار دیتے ہیں نیز منافع کے ایک نسبتی حصہ پر دوسروں کے کاروبار میں سرمایہ لگانے کو ناجائز ٹھہراتے ہیں ، لہذا ان کے نزدیک موجودہ زمیندارہ سسٹم جو مزارعت کی بنیاد پر قائم ہے بالکل غلط اور غیر اسلامی ہے ، اسی طرح موجودہ تجارتی اور صنعتی نظام جو مضاربت اور پارٹنر شپ کی اساس پر استوار ہے ، غیر اسلامی اور باطل ہے ۔ ان کے مقابلہ میں بعض دوسرے علماء ان دونوں معاملوں کو جائز اور صحیح کہتے ہیں ، لہذا موجودہ زمینداری نظام اور تجارتی اور صنعتی نظام ان کے خیال میں اسلامی ہے ، اور صحیح ہے ۔ غور سے دیکھا جائے تو اس اختلاف کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ان دونوں کی دانست میں معاشی معاملات کے جواز و عدم جواز سے متعلق اسلام کا جو اصولی تصور ہے ، وہ صاف اور متعین نہیں ، اور جو ہے وہ ایک دوسرے سے مختلف ہے ۔

اسی طریقہ سے پانچواں وہ اختلاف ہے ، جو بعض چیزوں کی انفرادی اور ذاتی ملکیت کے متعلق پایا جاتا ہے ۔ بعض علماء ، زمین کی انفرادی اور ذاتی ملکیت کو بغیر کسی حد و نہایت کے مطلقاً صحیح مانتے ہیں اور اس پر کسی تحدید اور پابندی کو جائز نہیں سمجھتے ۔ اور دوسرے بعض اس کو ایک خاص حد تک صحیح اور اس سے زیادہ کو غلط قرار دیتے ہیں اور کچھ علماء ایسے بھی ہیں ، جو اس کو سرے سے ناجائز اور غلط کہتے ہیں ۔ در اصل اس اختلاف کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام کا جو تصور ملکیت ہے ، وہ پوری طرح ان کے ذہن میں صاف نہیں بلکہ الجھا ہوا اور مختلف ہے لہذا تاوقتیکہ یہ صاف اور متعین نہ ہو مذکورہ اختلاف قائم رہے گا ۔

الغرض یہ اور اس قسم کے جو دوسرے کئی اختلافات ہیں ، ان کے پیدا ہونے کے اسباب کچھ بھی ہوں ، لیکن آج اگر ان کو سلجھایا اور دور کیا جا سکتا ہے ، تو صرف اس طریقے سے کہ اسلام کے جو معاشی مقاصد ہیں ، ان کو متفقہ طور پر متعین کیا جائے ۔ پھر ان کو صحت و عدم صحت کا معیار ٹھہرا کر اس پر ان مختلف اور متضاد آراء کو جانچا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ کون سی

آراء اُن مقاصد کے مطابق ھیں اور کونسی مخالف۔ یعنی ان مختلف آراء کو ان کے عملی نتائج و اثرات کے لحاظ سے دیکھا جائے کہ ان میں سے کونسی ایسی ھیں جنکے نتائج و اثرات ان مقاصد کے موافق اور سازگار ھیں اور کونسی ایسی ھیں جن کے عملی نتائج و اثرات ان مقاصد کے موافق اور سازگار نہیں ۔ چنانچہ جو ناموافق اور ناسازگار ھوں اُن کو غلط قرار دیا جائے ، کیونکہ مقاصد اور ان کے وسائل میں موافقت کا پایا جانا عقلاً نہایت ضروری ھوتا ھے ۔ بالفاظ دیگر جس وسیله میں مقصد تک پہنچا سکنے کی صلاحیت نه ھو ، وہ غلط ھوتا ھے اور از روئے عقل اس کو وسیله کہنا ھی صحیح نہیں ۔ لہذا ان مختلف و متضاد آراء میں سے جو آراء اسلام کے مقرر کردہ معاشی مقاصد سے موافقت اور مطابقت نہیں رکھتیں ، ان کو اسلامی آراء کہنا ھی صحیح نہیں ھوگا ۔

اسی طرح میرا یه خیال ھے که اگر اسلام کے معاشی مقاصد واضح شکل میں سامنے ھوں تو نئے حالات کے تحت نئے نئے پیدا ھونے والے معاشی مسائل کے لئے اسلام کے معاشی اُصولوں سے ، جزوی احکام مستنبط کرنے میں بڑی مدد ملتی ھے اور استنباط واستخراج کرنے والا غلطیوں سے بہت کچھ محفوظ رھتا ھے اور ان مقاصد کی روشنی ، اس کو اس راہ میں ٹھوکروں اور لغزشوں سے بچاتی ھے ۔

نیز بعض دفعه جب ملت کو ایسے حالات پیش آجاتے ھیں که وہ اپنے ملی اور اجتماعی تحفظ کے لئے مجبور ھوتی ھے که چند غلط اور ناجائز معاشی طریقوں میں سے وقتی طور پر ایک کو ضرور اختیار کرے، اس طرح کے اضطراری حالات میں ، اسلام اپنی حکمت عملی کے تحت اسکو اجازت دیتا ھے که وہ متعدد طریقوں میں سے وقتی طور پر اس طریق کو اختیار کرے، جو نسبة" بہتر ھو۔ یعنی جس میں دوسروں کی به نسبت برائی کم اور بھلائی زیادہ ھو ، جس کو فقہائے کرام نے اھون البلیتن اور اخف الشرین وغیرہ سے تعبیر کیا ھے ، ایسے اضطراری حالات میں اگر اسلام کے معاشی مقاصد پوری طرح سامنے ھوں تو ان سے نسبة" بہتر طریقه اور اھون البلتین اور اخف الشرین کے انتخاب میں مدد اور رھنمائي ملتي ھے ۔

ان تمام امور کے پیش نظر میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کے معاشی مقاصد کا مسئلہ ایک نہایت ہی اہم اور ضروری مسئلہ ہے اور اس کو نہایت توجہ کے ساتھ حل کرنے کی اشد ضرورت ہے ۔

جو اہل علم حضرات اسلامی معاشیات سے دلچسپی رکھتے ہیں ، ان کو بھی چاہیئے کہ اس مسئلہ کی طرف توجہ دیں اور پوری تحقیق و جستجو کے ساتھ اس کا کوئی ایساحل نکالیں جس کی صحت پر زیادہ سے زیادہ علماء متحد اور متفق ہو سکتے ہوں ۔

اس بارے میں اپنی علمی استعداد کے مطابق قرآن و حدیث کے مطالعے اور غور و فکر سے جس نتیجہ تک میں پہنچ سکا ہوں ، وہ یہ ہے کہ بنیادی طور پر اسلام کے معاشی مقاصد دو ہیں جن کو وہ اپنی معاشی تعلیمات کے ذریعے بروئے کار لانا چاہتا ہے ۔

ایک یہ کہ بلا کسی تخصیص و امتیاز کے معاشرے کے ہر فرد کو ، وہ بچہ ہو یا بوڑھا ، عورت ہو یا مرد ، مریض ہو یا تندرست ، نیک ہو یا بد ، کافر ہو یا مسلم ، کم از کم اتنا سامان معاش ضرور میسر ہو ، جس کے بغیر عام طور پر ایک انسان اطمینان کے ساتھ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ اپنے فرائض و واجبات کو ٹھیک طریقہ سے ادا کر سکتا ہے ، جو مختلف حیثیات سے اس پر عائد ہوتے ہیں اور جن کا ادا کرنا اسلام کی رو سے نہایت ضروری ہے ۔

بالفاظ دیگر گو سادہ سے سادہ شکل میں اور معمولی سے معمولی معیار پر سہی لیکن معاشرے کے ہر فرد کو کم از کم اتنا سامان معاش ضرور میسر ہو ، جس کے بغیر زندگی کی بنیادی احتیاجات پوری نہیں ہو سکتیں اور انسان اطمینان کے ساتھ زندہ رہ کر اپنی مذہبی ، معاشرتی اور سماجی ذمہ داریوں کو ٹھیک طرح سے ادا نہیں کر سکتا ، جن کا ادا کرنا معاشرے کے اعتدال و توازن کے لئے ضروری ہوتا ہے ۔ زیادہ واضح الفاظ میں مطلب یہ کہ معاشرے کے ہر فرد کے لئے کسی نہ کسی درجہ میں خوراک ، لباس ، مکان ، علاج اور تعلیم وغیرہ کا ضرور انتظام ہو اور کوئی فرد ان بنیادی ضروریات سے بالکل محروم

اور تہی دست نہ ہو۔ یہ ایک معاشی مقصد ہے جس کو اسلام ضرور بضرور حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اور کسی صورت نظر انداز نہیں کرتا۔

دوسرا معاشی مقصد یہ کہ بلا کسی تفریق اور امتیاز کے معاشرے کے ہر فرد کے لئے معاشی ترقی، یعنی ضرورت سے زیادہ سامان معاش حاصل کرسکنے کا موقع ہو، تاکہ ہر فرد اپنی استعداد اور صلاحیت کے مطابق ترقی کر سکے اور معاشرے میں وہ مقام حاصل کر سکے، جس کا کہ وہ مستحق ہے، اور جس کا حاصل کرنا اسلام کی نظر میں اگر ضروری نہیں تو مستحسن ضرور ہے، اور اسلام اس کی ترغیب ضرور دیتا ہے۔ کیونکہ زکوۃ و صدقات اور انفاق فی سبیل اللہ اور قرضۂ حسنہ وغیرہ کا دار و مدار ہی اس پر ہے کہ انسان کے پاس ضرورت سے زیادہ سامان معاش اور مال و دولت ہو۔

دوسرے لفظوں میں مطلب یہ کہ اسلام کے نزدیک یہ صحیح نہیں کہ معاشرے کے بعض افراد کے پاس تو ضرورت سے کہیں زیادہ بلکہ درجۂ آسائش سے بڑھ کر درجۂ تعیش اور تنعم تک معاشی سر و سامان ہو اور دوسرے بعض کے پاس ضرورت کی حد تک بھی نہ ہو۔ اسی طرح اس کے نزدیک یہ بھی درست نہیں کہ معاشرے کے بعض افراد کے لئے معاشی ترقی کے راستے پوری طرح کھلے ہوں۔ وہ ضرورت سے زائد جتنا چاہیں، معاشی سرو سامان حاصل کر سکیں۔ لیکن دوسرے بعض پر وہ راستے بالکل بند ہوں۔ وہ باوجود صلاحیت اور خواہش کے ضرورت سے زیادہ کچھ حاصل نہ کر سکیں۔ کیونکہ ان دونوں صورتوں میں دیر و سویر ایسے حالات کا پیدا ہونا لازمی اور قطعی ہوتا ہے جو پورے معاشرے کو بدامنی اور بے چینی اور تباہی و بربادی میں مبتلا کر کے رکھ دیتے ہیں، اور یہ چیز اسلام کے منشا کے خلاف ہے کیونکہ وہ یہ چاہتا ہے کہ معاشرے میں جو امن و اطمینان پیدا ہو وہ دوام اور پائیداری کے ساتھ قائم رہے۔

اسی مفہوم کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ جس معاشرے میں بعض افراد کے پاس تعیشات و تکلفات کی حد تک سامان معاش ہو اور دوسرے بعض کے پاس سادہ سے سادہ شکل میں ضرورت کی حد تک بھی نہ ہو۔ نیز جس

معاشرے میں مثلاً ضرورت کی حد تک تو سب افراد کے پاس سامان معاش ہو لیکن معاشی ترقی کے مواقع صرف بعض افراد کے لئے مخصوص ہوں اور دوسرے بعض ان سے محروم ہوں، تاریخی تجربات شاہد ہیں کہ ایسے معاشرہ میں لازمی طور پر دو معاشی طبقے وجود میں آتے ہیں - ایک طبقہ معاشی طور پر خوشحال اور خوشحالی میں دن بدن بڑھتا اور ترقی کرتا چلا آتا ہے، اور دوسرا طبقہ پریشان حال یا خوشحالی کی ایک خاص حد تک رہتا ہے، اس سے آگے نہیں بڑھ پاتا - لہذا اول الذکر طبقہ کے متعلق ثانی الذکر طبقہ کے دل میں حسد و بغض کے جذبات پرورش پاتے اور بڑھتے بڑھتے نفرت اور عداوت کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں - بالاخر ایک ایسا وقت ضرور آجاتا ہے کہ دونوں کے درمیان باقاعدہ طبقاتی جنگ اور باہمی کشت و خون کا بازار گرم ہو جاتا ہے، جس کے نتیجہ میں پورا معاشرہ امن و اطمینان سے محروم ہو کر رہ جاتا ہے اور تمام افراد خوف و حزن اور قلق و بے چینی میں مبتلا ہو جاتے ہیں -

اسلام چونکہ یہ چاہتا ہے کہ افراد کو جو امن اور چین اور جو مسرت و اطمینان حاصل ہو، وہ پائدار اور مسلسل ہو، عارضی اور وقتی نہ ہو - کیونکہ اسلام کے نزدیک فرد کی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اس کو مسلسل اور دائمی امن و چین اور غیر محدود اور لا زوال مسرت و اطمینان کی زندگی نصیب ہو، یعنی وہ عارضی مسرت و اطمینان اور محدود سکھ اور چین کے حاصل ہوجانے کو فرد کی فوز و کامیابی قرار نہیں دیتا بلکہ اس مسرت و اطمینان اور سکھ و چین کے حاصل ہوجانے کو قرار دیتا ہے، جس میں دوام اورخلود ہو اور جس کا سلسلہ کہیں ٹوٹتا اور رکتا نہ ہو، اس لئے کہ در حقیقت یہی وہ فطری مطلوب بھی ہے جس کی طلب و خواہش ہر انسان کے اندر پیدائشی اور اضطراری طور پر پائی جاتی ہے اور جس کی تلاش و جستجو میں ہر فرد بشر شعوری اور غیر شعوری طور پر ہمیشہ سرگرداں اور جس کو پانے کے لئے ہمہ وقت سرگرم عمل اور مصروف جدوجہد رہتا ہے -

اسی بنا پر اسلام کی رو سے ایک صحیح مثالی معاشرہ اور ایک صالح نظام تمدن وہ ہے جس میں فرد کو وہ جملہ روحانی اور مادی سرو سامان، دوام اور

ہمیشگی کے ساتھ میسر ہو جس سے انسان کے روحانی اور جسمانی تقاضوں کو تسکین ملتی اور اس زندگی میں خوشگوار اور پائدار امن و اطمینان پیدا ہوتا ہے اور وہ اپنے ارتقائی مدارج ، عمدگی کے ساتھ پے درپے طے کرتا چلا جاتا ہے - اس کے مقابلہ میں جو معاشرہ اور نظام تمدن ایسا ہو کہ اس میں مثلاً فرد کے مادی تقاضوں کی تسکین کے لئے مادی سرو سامان تو موجود ہو لیکن اس کے روحانی تقاضوں کے لئے معنوی سرو سامان موجود نہ ہو - یا اس کے برعکس روحانی سرو سامان تو موجود ہو لیکن مادی موجود نہ ہو یا یہ کہ دونوں موجود ہوں لیکن ناقص اور عارضی طور پر ہوں، ایسے معاشرے اور تمدن میں چونکہ فرد کو اس کا فطری مطلوب یعنی پائدار اور مسلسل مسرت و اطمینان اور دائمی اور غیر محدود سکھ اور چین کی زندگی نصیب نہیں ہوسکتی لہذا اسلام کے نزدیک ایسا معاشرہ اور جس نظام فکر و عمل اور ضابطۂ قانون و اخلاق کے تحت وہ معاشرہ تشکیل پایا ہو ، غلط اور باطل ہے -

غرضیکہ اسلام کے پیش نظر فرد کی فوز و فلاح اور ایک صحیح مثالی معاشرے کا جو تصور ہے، اس کے وجود میں آنے کے لئے جہاں اور بہت سی چیزیں ضروری ہیں، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ معاشی لحاظ سے معاشرے کے سو فیصد افراد کو مذکورہ بالا جو چیزیں حاصل ہوں، ایک بقدر ضرورت سامان معاش اور دوسرے ترقی کا موقع بالفاظ دیگر ہر فرد کو رزق تو بالفعل میسر ہو اور مال حاصل کرسکنے کا اس کے لئے موقع ہو، یعنی وہ حاصل کرنا چاہے تو کرسکے اور اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہ ہو ، بنا بریں اسلام نے ان دو چیزوں کو معاشی مقاصد کی حیثیت سے اپنی معاشی تعلیمات میں سامنے رکھا ہے -

علاوہ ازیں چونکہ اسلامی نظام حیات اس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، جس کی صفات میں سے ایک صفت رب العلمین، رب کل شی اور رب الناس بھی ہے ، اس صفت ربوبیت عامہ کا تقاضا ہے کہ اسلام کی معاشی تعلیمات ایسے مقاصد سے متعلق ہوں جن کے بروئے کار آنے سے بلا تخصیص و استثناء معاشرے کے ہر فرد کو تمام ضروری معاشی سرو سامان مل سکتا ہو - اگر ایک فرد بھی اس سے محروم ہوگا تو اس کے حق میں اس صفت ربوبیت عامہ کا اظہار نہ ہوسکے

گا ۔ دراصل اسلام کے جتنے اصول و قوانین ہیں، وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ اور اس کے اسمائے حسنیٰ کا مظہر ہیں، لہذا ان کی کوئی ایسی تعبیر صحیح نہیں ہوسکتی جو ان صفات کے مقتضیٰ کے خلاف ہو ۔

اسلام کے نزدیک معاشی مساوات کا مطلب

مقدار اور تعداد کے لحاظ سے معاشی مساوات کا مطلب یہ کہ مثلاً جتنا سامان خورد و نوش ایک کے پاس ہو، اتنا ہی ہر دوسرے کے پاس بھی ہو۔ جس قدر لباس اور کپڑے ایک کو میسر ہوں، اسی قدر دوسرے کو بھی میسر ہوں - جتنے مکان اور رہائشی سامان ایک کی ملکیت میں ہوں، اتنے ہی دوسرے کی ملکیت میں بھی ہوں، جتنی تعلیمی اور طبی سہولتیں ایک کو حاصل ہوں اتنی ہی دوسرے کو بھی حاصل ہوں اور اس پہلو سے ان کے درمیان کچھ فرق و تفاوت نہ ہو۔ اسلام اس طرح کی معاشی مساوات کا قائل اور روادار نہیں کیونکہ یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ تمام افراد دماغی و جسمانی صلاحیتوں اور فکری و عملی قوتوں کے لحاظ سے یکساں اور مساوی نہ ہوجائیں جن کے ذریعہ سے انسان اکتساب رزق کرتا اور مال و دولت کماتا ہے، یا یوں کہا جائے کہ جب تک افراد معاشرہ کے درمیان، دماغی و جسمانی صلاحیتوں اور فکری اور عملی قوتوں کا فرق و اختلاف موجود ہے جو دراصل معاشی سرو سامان اور مال و دولت حاصل کرنے کا حقیقی ذریعہ ہیں، اس وقت تک ان کے مدارج معیشت میں فرق و تفاوت کا پایا جانا ایک بالکل قدرتی امر ہے اور عقل و قیاس اور عدل و انصاف کے عین مطابق ہے ۔

پھر چونکہ یہ ایک ناقابل انکار واقعہ ہے کہ مختلف انسانوں کے درمیان دماغی و جسمانی صلاحیتوں اور فکری و عملی قوتوں کے اعتبار سے جو فرق و اختلاف ہے اس کے ساتھ انسانی دنیا کی بے شمار مصلحتیں وابستہ ہیں جن کے وجود پر انسانی اجتماع و تمدن کے قیام و بقا اور اس کے نشو و ارتقاء کا دارو مدار ہے ۔ لہذا یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اس فرق و اختلاف کو مٹا کر تمام انسانوں کو دماغی اور جسمانی طور پر کسی ایک سطح پر لایا جاسکے ۔ بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی بیوقوف اس قسم کی کوشش کرے گا تو اس کی یہ کوشش فطرت کے ساتھ جنگ کے مترادف ہوگی جس کا نتیجہ سوائے ناکامی کے اور کچھ نہیں برآمد ہوسکتا ۔

اسلام ایک دین فطرت ہے - اس کا مزاج تمدنی و اجتماعی ہے - اور اس کا رویہ منصفانہ اور حقیقت پسندانہ ہے - وہ اپنی تعلیمات میں نفس الامری حقائق و واقعات، فطرت کے داعیات و مقتضیات، انسانی احساسات و جذبات، تمدن و اجتماع کے حقیقی مصالح و منافع اور عدل و انصاف کے تقاضوں اور مطالبوں کو پوری طرح ملحوظ اور مدنظر رکھتا ہے اور کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو ان کے خلاف ہو - لہذا وہ ایسی معاشی مساوات کا کیسے قائل ہوسکتا تھا، جو ان مذکورہ تمام امور کے خلاف اور منافی ہے - اور جو خوشنما اور دلکش تو ضرور ہے لیکن نہ کبھی عمل میں آئی اور نہ کبھی آسکتی ہے -

اسلام جس معاشی مساوات اور ''سوشلزم'' کا قائل اور روادار ہے، وہ یہ کہ معاشرے کے ہر فرد کو ایک حد تک معاشی خوشحالی ضرور حاصل ہو اور اس سے زیادہ خوشحالی حاصل کرسکنے کا اس کے لئے موقع ہو تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ زندہ رہ کر اپنی ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکے، جو اسلام کی رو سے اس پر عائد ہوتی ہیں اور جن کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی سے معاشرہ میں وہ اعتدال و توازن پیدا ہوتا ہے، جو پائیدار امن و اطمینان کی بنیاد اور اساس ہے، تاکہ وہ سوسائٹی میں اپنا وہ مقام و مرتبہ حاصل کرسکے جس کا کہ وہ مستحق ہے، اسلام نے ان مذکورہ معاشی مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے جہاں ایسے اصول و ضوابط تجویز کئے ہیں، جن کی عملی پابندی سے لازمی طور پر وہ مقاصد بروئے کار آسکتے ہیں، وہاں اپنے عقائد اور عبادات کے ذریعے افراد کے اندر ایسے اخلاقی احساسات و جذبات پیدا کرنے کا بھی انتظام اور اہتمام کیا ہے جن کی تحریک سے افراد، ان اصول و ضوابط کی پابندی پر برضا و رغبت اور از خود آمادہ ہوجاتے ہیں اور کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتے، یعنی اسلام صرف خارجی خوف اور دباؤ اور ڈنڈے کے زور سے اپنے قوانین و ضوابط کی تعمیل پر آمادہ نہیں کرتا بلکہ اس سے کہیں زیادہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ افراد کے اندر ایسے محرکات پیدا ہوں جن کی تحریک سے وہ خود بخود عمل کرے تاکہ اس کو اپنے جیسے دوسرے انسانوں سے زیادہ سے زیادہ آزادی اور حریت حاصل ہو اور اس کی انسانی شرافت اور کرامت زیادہ سے زیادہ محفوظ رہے -